پروفیسر خورشید عالم

عورت کی امامت

پچھلے دنوں ایک نیک سیرت اور پڑھی لکھی خاتون نے نیویارک (امریکا) میں جمعہ کی نماز میں مردوں اور عورتوں کی امامت کی۔ پاکستانی میڈیا میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ نماز پڑھانے والی اور پڑھنے والوں کے خلاف فتوے جاری ہو گئے۔ ٹیلی وژن پر امامت کرنے والی خاتون کو برا بھلا کہا گیا۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کا اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر ایمان کا دارومدار ہو۔ یہ فقہ کا ایک عام سا مسئلہ ہے جس پر دلیل سے بات کرنے کی اور اختلافی رائے کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس خاتون نے روایت کو توڑا اور جمہور فقہا کی رائے کے خلاف عمل کیا ہے۔ ہمارے ہاں یہ عام روش ہے کہ مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بجائے اس کے خلاف عوام کے جذبات کو بھڑکا دیا جاتا ہے۔ ہمیں اس مسئلہ کو ایسے ہی حل کرنا چاہیے جیسے ہمارے فقہا نے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے دلیل کی بنا پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور مخالفین نے بھی ان کی رائے کو وزن دیا ہے۔ اگر عورت کی امامت فتنہ ہے تو اسی لیبل کو بڑے بڑے فقہا پر بھی چسپاں کرنا پڑے گا۔

میں اس مسئلہ پر تحقیقی نظر ڈالوں گا اور قارئین اس کی روشنی میں اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔

امام قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی (متوفی ۵۹۵ھ) اپنی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' میں فرماتے ہیں:

''عورت کی امامت کے بارے میں فقہا میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ عورت مردوں کی امامت کرے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرے۔ امام شافعی نے اس کی اجازت دی ہے، مگر امام مالک نے اس سے منع کیا ہے۔ ابوثور اور طبری جمہور کی رائے سے ہٹ کر ان کی مطلقاً امامت کے قائل ہیں۔ جمہور فقہا کا اس مسئلہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں ـــــ کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی ـــــ اتفاق اس لیے ہے کہ اگر یہ جائز ہوتا تو صدر اول میں اس کی کوئی روایت ملتی اور اس لیے بھی کہ نماز میں عورتوں کا کھڑا ہونے کا طریقہ یہی تھا کہ وہ صف میں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد سے آگے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اخروهن حيث اخرهن الله. ''ان کو پیچھے رکھو جہاں اللہ نے ان کو پیچھے رکھا ہے۔''

اسی لیے بعض فقہا نے عورتوں کے لیے عورت کی امامت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ نماز میں وہ سب ایک ساتھ کھڑی ہوں، علاوہ ازیں یہ بات بعض لوگوں سے صدر اول میں منقول ہے۔ اور جن علما نے عورت کی امامت کو مطلقاً جائز سمجھا ہے، انھوں نے اس حدیث کی طرف رجوع کیا ہے جو ابوداؤد نے ام ورقہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ کے گھر جایا کرتے تھے اور آپ نے ان کے لیے ایک مؤذن مقرر کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے اہل خاندان کی امامت کیا کریں۔'' (۱/۱۰۵)

''بدایۃ المجتہد'' کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی امامت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ عورت عورتوں کی امامت کرے یا عورت مردوں کی امامت کرے، دونوں باتوں میں اختلاف ہے۔ ابراہیم بن خالد بن ایمان ابوثور (متوفی ۲۴۰ھ) جیسے محدث اور فقہ شافعی کے امام مجتہد اور ابوجعفر محمد بن جریر (متوفی ۳۱۰ھ) جیسے محدث، مفسر، مورخ اور مستقل فقہی مذہب کے امام نے جمہور علما کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ عورت مردوں کی امامت کرے اور ان کی دلیل ایک مرفوع صحیح حدیث ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سنن ابی داؤد میں عورت کی امامت کے عنوان کے تحت ام ورقہ سے دو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ پہلی حدیث کا متن یوں ہے:

''ام ورقہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے نکلنے والے تھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، مجھے بھی اپنے ساتھ اس غزوہ میں جانے کی اجازت دیجیے۔ میں آپ کے مریضوں کی تیمارداری کروں گی، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت دے دے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: اپنے گھر میں ٹھیری رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت کی موت دے گا۔ راوی کا قول ہے کہ اس بشارت کی وجہ سے لوگ انھیں شہیدہ کہتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ قرآن کی قاری (حافظہ) تھیں، چنانچہ انھوں نے نبی اکرم سے اپنے گھر میں ایک مؤذن مقرر کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔ راوی کا قول ہے کہ ان کا ایک مدبر غلام (جو مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتا ہے) اور ایک لونڈی تھی۔ یہ دونوں ایک رات اٹھ کر ان کے قریب آئے اور پلش کی چادر سے ان کو اس قدر دبا کر ڈھانپا کہ وہ مر گئیں۔ وہ دونوں بھاگ گئے۔ صبح کو حضرت عمر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: جس کسی کو ان دونوں قاتلوں کا علم ہو یا جس نے بھی ان کو دیکھا ہو تو پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمر نے ان کو سولی پر لٹکا دیا۔ وہ دونوں پہلے قاتل تھے جن کو مدینہ منورہ میں سولی پر لٹکایا گیا۔'' (ابوداؤد)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں ام ورقہ کے ترجمہ (۴:۵۰۵) میں ابن السکین کے حوالہ اور محمد بن فضیل کی سند سے بیان کی ہے اور اس میں اس قدر اضافہ کیا ہے:

''جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: بخدا کل شب میں نے اپنی خالہ ام ورقہ کی قرأت نہیں سنی۔ پہلے وہ اس کے محلّہ (دار) میں داخل ہوئے جب کچھ نظر نہ آیا تو ان کے گھر (بیت) میں داخل ہوئے تو وہ ایک کونے میں پلش کی چادر میں لپٹی پڑی تھیں۔ آپ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہا کرتے تھے: چلو چل کر شہیدہ سے ملاقات کریں۔ پھر آپ منبر پر چڑھ گئے۔''

دوسری حدیث ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث سے ایک اور سند سے مروی ہے، لیکن پہلی حدیث کامل تر ہے۔ اس حدیث کا متن یوں ہے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک موذن مقرر فرمایا تھا جو ام ورقہ کے لیے اذان دیتا تھا۔ آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے خاندان والوں کی امامت کیا کریں۔ راوی عبدالرحمان کہتا ہے کہ میں نے ان کا مؤذن دیکھا تھا جو ایک بوڑھا شخص تھا۔'' (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث میں ایک لغوی نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر امامت کی حدود کا تعین نہیں ہوسکتا۔ دوسری حدیث میں 'تؤم اهل دارها' کی تعبیر استعمال ہوئی ہے نہ کہ 'اهل بيتها'۔ 'اهل البيت' کے معنی گھر والے ہیں جبکہ 'اهل الدار' کے معنی قبیلے والے، محلے والے اور خاندان والے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں جو روایت نقل کی ہے، اس میں بھی ہے کہ حضرت عمر پہلے ان کے احاطے یا محلے (دار) میں داخل ہوئے پھر ان کے گھر (بیت) میں۔

امام راغب کے قول کے مطابق 'دار' کا لفظ شہر، علاقے، بلکہ سارے جہان کے لیے بولا جاتا ہے۔ ''المصباح المنیر'' میں ہے:

''اصل میں لفظ دار اس جگہ پر بولا جاتا ہے جو ارد گرد سے گھری ہوئی ہو، مثلاً دو پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی وادی کو بھی دار کہا جاتا ہے اور مجازاً اس کا اطلاق قبیلے پر ہوتا ہے۔''

احمد بن فارس بن زکریا (متوفی ۳۹۵) اپنی مشہور لغت کی کتاب ''معجم مقاییس اللغۃ'' میں 'الدار' کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس سے مراد قبیلہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: 'الا انبئكم بخير دور الانصار' کیا میں تمھیں انصار کے بہترین قبیلوں کے متعلق نہ بتاؤں۔ ایک اور حدیث میں ہے: 'فلم تبق دار الا نبی فيها

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

المسجد‘ یعنی کوئی ایسا قبیلہ نہ رہا جس میں مسجد نہ بنائی گئی ہو۔‘‘

صاحب ’’القاموس المحیط‘‘ لکھتے ہیں کہ:

’’دار کا اطلاق ہر کھلی زمین پر ہوتا ہے جو پہاڑوں کے درمیان واقع ہو اور ہر اس چیز پر جس کو کسی چیز نے دائرے کی مانند گھیر رکھا ہو۔‘‘

ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل الانصاری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ تھیں۔ انھوں نے رسول اکرم کے دست مبارک پر بیعت بھی کی تھی۔ اس زمانہ میں صراحت کے ساتھ اگر کسی عورت کے بارے میں حافظہ ہونے کا ذکر ملتا ہے تو صرف انھی کے متعلق ملتا ہے۔ ان کی قرأت اتنی اچھی تھی کہ حضرت عمر رات کو بڑے ذوق وشوق سے ان کی قرأت کو سنتے تھے۔ غالباً وہ اونچی آواز سے قرأت کرتی ہوں گی۔ ایک رات حضرت عمر نے جب ان کی قرأت کو نہ سنا تو ان کے بارے میں انھیں فکر لاحق ہوگئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا مرتبہ یہ تھا کہ آپ نے ان کو شہیدہ ہونے کی بشارت دی تھی اور وہ اکثر ان کے یہاں جایا کرتے تھے اور اپنے صحابۂ کرام سے کہتے: ’’چلو چل کر شہیدہ سے ملاقات کریں۔‘‘ یقیناً آنحضرت نے ام ورقہ کے حفظ قرآن اور حسن قرأت کی وجہ سے انھیں امامت کرنے کا حکم دیا وہ اپنے علاقے یا محلے کی بہترین قاریہ ہوں گی۔ کیونکہ امامت کی اہلیت کے بارے میں امام احمد، مسلم اور نسائی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے امامت کا حق دار وہ ہے جو قرآن کی سب سے بہتر قرأت کرنے والا ہو اور اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو پھر وہ جو سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا ہو، پھر وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو۔ اس حدیث میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ اسی معیار کے مطابق ام ورقہ اپنے محلے کی امامت کی حق دار ٹھہریں۔

www.javedahmadghamidi.com

یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ)، طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۵ھ)، صحیح ابن خزیمہ (متوفی ۳۱۱ھ)، سنن دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ)، مستدرک حاکم (متوفی ۴۰۵ھ)، سنن کبریٰ بیہقی (متوفی ۴۸۵ھ)، کنز العمال علی المتقی (متوفی ۹۷۵ھ) میں مروی ہے۔

امام دارقطنی نے مذکورہ حدیث کو دو مرتبہ روایت کیا ہے۔ ایک روایت کا متن وہی ہے جو ابوداؤد کی روایت کا ہے۔ مگر انھوں نے ’’کتاب الصلوٰۃ باب ذکر الجماعۃ واہلہا وصفۃ الامام‘‘ میں اسے یوں روایت کیا ہے:

’’ام ورقہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے اجازت دے دی تھی کہ اس کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔‘‘

اس روایت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھی۔ یہ دارقطنی کے اپنے الفاظ ہیں

حدیث کے الفاظ نہیں، یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ سنن دارقطنی کے علاوہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ اضافہ نہیں، اس لیے اس اضافے کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث مذکور کا فن حدیث کی رو سے مقام

حافظ ابن حجر عسقلانی ''التلخیص الحبیر'' میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع مجہول الحال ہیں، مگر ابن حبان نے ان کو ثقہ شمار کیا ہے۔ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' (۳/۳۶) میں کہا ہے کہ منذری کا قول ہے کہ ولید بن جمیع کے بارے میں کلام ہے، مگر مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔

ابن قطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ولید بن جمیع اور عبدالرحمان مجہول الحال ہیں، لیکن میں (زیلعی) کہتا ہوں کہ ابن حبان نے دونوں کو ثقہ شمار کیا ہے۔ ابو داؤد کی شرح ''بذل المجہود'' میں ہے کہ ولید بن جمیع کو ابن معین، عجلی اور ابن سعد نے ثقہ مانا ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور ابوزرعہ کا قول ہے کہ اس سے روایت میں کوئی حرج نہیں۔

''ارواء الغلیل'' میں دور حاضر کے سب سے بڑے محدث ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

> ''منذری نے ولید بن عبداللہ کو مجہول ٹھہرایا ہے اور میں نے صحیح ابوداؤد میں اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم نے اسے حجت تسلیم کیا ہے اور ابن معین کی طرح ایک جماعت نے اسے ثقہ گردانا ہے۔'' (۲/۲۵۶)

دوسری حدیث کے ایک راوی عبدالرحمان خلاد الانصاری کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''التقریب'' میں کہا ہے کہ وہ مجہول الحال ہے، مگر ''التلخیص الحبیر'' میں وہ کہتے ہیں کہ ابن حبان نے اسے ثقہ مانا ہے۔ ''السیل الجرار'' میں امام شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کا قول ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمان بن خلاد الانصاری مجہول الحال ہے، لیکن ابن حبان نے اسے ثقہ شمار کیا ہے۔

ابن خزیمہ نے ام ورقہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ناصر الدین البانی نے ''ارواء الغلیل'' میں ''التعلیق المغنی'' کے مؤقف کے حوالے سے بتایا ہے کہ:

> ''علامہ عیسیٰ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔''

اس حدیث کی صحت کی وجہ سے کم و بیش ہر مسلک کے فقہا نے اس حدیث سے انکار نہیں کیا، یہ الگ بات ہے کہ اس حدیث کی تشریح انھوں نے مختلف طریقوں سے کی ہے۔ جن فقہا نے اس حدیث کی بنا پر مردوں کے لیے عورت کی امامت کو جائز سمجھا ہے، ان کی نقلی دلیل خاصی مضبوط معلوم ہوتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فقہی آرا کا جائزہ

مذکورہ حدیث کی بنا پر فقہا عورت کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ ''البدائع والصنائع'' میں امام کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

''عام طور پر عورت امامت کی اہل ہے، یہاں تک کہ وہ عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔''

''فتح القدیر'' میں محقق ابن الہمام کا بھی یہی قول ہے۔ ''السیل الجرار'' میں امام شوکانی کا قول ہے کہ حدیث ام ورقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی امامت عورتوں کے بارے میں صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔ ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' (۴۰۹/۱) میں ہے کہ اگر مقتدی عورتیں ہوں تو سوائے امام مالک کے سب ائمہ عورت کی امامت کو جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ عورتوں کی امامت کرتی رہی ہیں۔ ''المحلی'' (۲۳۰/۴) میں طاؤس کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ اذان بھی دیتی تھیں اور اقامت بھی کہتی تھیں۔ عورت امامت کی اہل ہے۔ امام مالک کے علاوہ سب ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ آیا وہ مردوں کی امامت کر سکتی ہے یا نہیں؟

فقہا نے ام ورقہ کی روایت کی ایک تشریح تو یہ کی ہے کہ اس میں صرف عورتوں کی امامت کا حکم ہے اور وہ دارقطنی کی دوسری روایت کا یہ جملہ 'وتوم نساءھا' (اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں) بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ صحاح ستہ میں سے سنن ابی داؤد سمیت حدیث کی کئی ایک کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے، لیکن دارقطنی کے علاوہ کسی نے یہ جملہ استعمال نہیں کیا، بلکہ یہ لکھا ہے 'امرھا ان توم اھل دارھا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اپنے اہل خاندان کی امامت کرے۔ اگر دارقطنی کی دوسری روایت کو غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دارقطنی کے اپنے الفاظ ہیں۔ اس روایت کا متن ملاحظہ فرمائیں:

''ام ورقہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے اجازت دے دی تھی کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔''

یہ آخری جملہ پہلے جملے سے کٹا ہوا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ام ورقہ کے نہیں، بلکہ دارقطنی کے ہیں اور یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ عورت محض عورتوں کی امامت کرے اس کی تردید ابن قدامہ نے ''المغنی'' (۱۹۸/۲) میں یہ کہہ کر کی ہے کہ:

''ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موذن مقرر کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے اہل خاندان (محلّہ) کی امامت کرے۔ یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لیے عام ہے۔''

امیر صنعانی (متوفی ۱۱۸۲ھ) ''بلوغ المرام'' کی شرح ''سبل السلام'' میں کہتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

’’حدیث ام ورقہ ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح گردانا ہے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت اپنے اہل خاندان کی امامت کرے گی، خواہ اس میں مرد ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کا موذن روایت کے مطابق بوڑھا آدمی تھا ظاہر ہے وہ ان کی امامت میں نماز پڑھتا تھا۔ اسی طرح ان کا غلام اور لونڈی ان کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔‘‘ (۳۵/۲)

اسی طرح ’’الروض المربع شرح زاد المستقنع‘‘ (۳۱۲/۲، حاشیہ) میں عبدالرحمان بن محمد بن قاسم النجدی لکھتے ہیں کہ ان کو نبی پاک نے حکم دیا کہ وہ اپنے خاندان والوں کی امامت کیا کریں، خواہ اس میں مرد ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر جمہور اہل علم اس کے مخالف ہیں۔ دور حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا عورت صرف عورتوں کی امامت کر سکتی ہے؟ ان کا جواب ’’خطبات بہاول پور‘‘ میں یوں ہے:

’’میں اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ انھیں صرف عورتوں کے لیے امام بنایا گیا تھا۔ حدیث میں اہل خاندان کے الفاظ ہیں، اہل کے معنی صرف عورتوں کے نہیں ہوتے۔ پھر اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ایک مؤذن تھا، جو ایک مرد تھا اور مزید تفصیلات بھی ملتی ہیں کہ ان کے غلام بھی تھے، ظاہر ہے کہ غلام ان کی امامت میں نماز پڑھتے ہوں گے۔ غرض یہ کہ امامت صرف عورتوں کے لیے نہیں تھی، بلکہ مردوں کے لیے بھی تھی۔‘‘ (۴۲۰)

بعض فقہا اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث میں امامت کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے، مگر وہ اس حکم کو نوافل تک محدود سمجھتے ہیں اور فرضوں کے لیے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں حدیث کو ایک اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

’’نبی کریم نے ان کو حکم دیا کہ اپنے اہل خاندان کی فرائض میں امامت کریں۔‘‘

امام ابن تیمیہ ’’فتاویٰ‘‘ (۲۴۸/۲۳) میں فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ انھوں نے بوقت ضرورت عورتوں کو مردوں کی امامت کی اجازت دی ہے، مثلاً اگر قاری عورت کے علاوہ اور کوئی قاری نہ ہو تو وہ مردوں کو نماز تراویح پڑھا سکتی ہے۔ چنانچہ ’’المغنی‘‘ میں ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ’’ہمارے بعض (حنبلی) اصحاب کا قول ہے کہ عورت کے لیے نماز تراویح میں مردوں کی امامت جائز ہے۔‘‘ ابن قدامہ ان اصحاب کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مؤذن مقرر کیا تھا جس سے پتا چلتا ہے کہ فرائض میں امامت کی اجازت دی گئی، کیونکہ اذان تو صرف فرضوں کے لیے دی جاتی ہے۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ ام ورقہ فرائض میں عورتوں اور مردوں کی امام تھیں۔

بعض فقہا بالخصوص احناف کی رائے ہے کہ امامت کا یہ حکم اسلام کے ابتدائی دور میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ ’’البدائع والصنائع‘‘ کے مصنف کی بھی یہی رائے ہے، مگر ابن الہمام الحنفی جیسے محقق نے ’’فتح القدیر‘‘ میں اس رائے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پر سخت اعتراض وارد کیا ہے اور مستدرک امام محمد کی کتاب الآثار اور ابوداؤد کی روایات، خاص طور پر ام ورقہ کی حدیث پیش کر کے اس رائے کا باطل قرار دیا ہے۔ اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ''طبقات ابن سعد'' اور ''الاستیعاب'' میں ام ورقہ کے ترجمہ میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے :

''ام ورقہ اپنے اہل خاندان کی امامت کرتی رہیں حتیٰ کہ ان کے غلام اور لونڈی نے ان کو اوپر سے ڈھانپ کر ان کا سانس بند کر دیا۔'' (۴۵۵/۸)، (۱۹۱۵/۴)

ڈاکٹر حمید اللہ ''خطبات بہاول پور'' میں رقم طراز ہیں:

''اس حدیث کے متعلق یہ گمان ہوسکتا ہے کہ یہ شاید ابتداے اسلام کی بات ہو اور بعد میں اللہ کے رسول نے اسے منسوخ کر دیا ہو، لیکن اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ام ورقہ حضرت عمر کے زمانے تک زندہ رہیں اور اپنے فرائض سرانجام دیتی رہیں یہ بات ویسے بھی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب خواتین زیادہ تر حفظ اور قرأت سے نا آشنا تھیں ان کو امامت کی اجازت دی گئی ہو اور بعد میں جب بے شمار خواتین اس فن میں ماہر ہو گئیں تو انھیں امامت سے روک دیا گیا ہو۔'' (۳۵)

وہ فقہا جو اس بات کے قائل ہیں کہ عورت مردوں کی امامت کر سکتی ہے، انھوں نے حضرت ام ورقہ کی حدیث سے دو طرح استدلال کیا ہے۔ کچھ فقہا کا خیال ہے کہ عورت ضرورت کے تحت مردوں کی امامت کر سکتی ہے جیسا کہ اس ضمن میں امام ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صاحب ''المغنی'' کی بھی یہی رائے ہے کہ اس اجازت کو ام روقہ سے مخصوص سمجھا جائے گا۔ ابوداؤد کی ''شرح عون المعبود'' کے مصنف کا بھی یہی قول ہے کہ ام ورقہ کا معاملہ خاص معاملہ ہے، اسے عام اصول نہیں بنایا جا سکتا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے۔ وہ ''خطبات بہاول پور'' میں کہتے ہیں:

''بعض اوقات عام قاعدے میں استثنا کی ضرورت پیش آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استثنائی ضرورتوں کے لیے یہ تقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی تجربے کی ایک چیز بیان کرتا ہوں۔ پیرس میں چند سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک افغان لڑکی طالب علم کے طور پر آئی۔ ہالینڈ کا ایک طالب علم جو اس کا ہم جماعت تھا اس پر عاشق ہو گیا۔ عشق اتنا شدید تھا کہ اس نے اپنا دین بدل کر اسلام قبول کر لیا۔ ان دونوں کا نکاح ہوا۔ اگلے دن وہ لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ بھائی صاحب میرا شوہر مسلمان ہو گیا ہے اور وہ اسلام پر عمل بھی کرنا چاہتا ہے، لیکن اسے نماز نہیں آتی اور اسے اصرار ہے کہ میں خود امام بن کر نماز پڑھاؤں۔ کیا وہ میری اقتدا میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ میں نے اسے جواب دیا کہ اگر آپ کسی عام مولوی صاحب سے پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ جائز نہیں، لیکن میرے ذہن میں رسول اللہ کے طرز عمل کا ایک واقعہ حضرت ام ورقہ کا ہے۔ اس لیے استثنائی طور پر تم امام بن کر نماز پڑھاؤ۔ تمہارے شوہر کو چاہیے کہ وہ مقتدی بن کر تمھارے پیچھے نماز پڑھے اور جلد از جلد

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن کی ان سورتوں کو یاد کرے جو نماز میں کام آتی ہیں۔ کم از کم تین سورتیں یاد کرے۔ پھر اس کے بعد وہ تمھارا امام بنے اور تم اس کے پیچھے نماز پڑھو۔'' (۳۵)

یہ ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے، مگر ابو سعید خدری کی روایت کے مطابق اس کا خاوند اس وقت تک امامت کا حق دار نہیں ہو گا جب تک وہ اپنی بیوی سے بہتر قرأت نہ کرنے لگے۔

بعض فقہا نے حضرت ام ورقہ کی حدیث کے پورے متن کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ عورت مطلقاً مردوں کی امامت کر سکتی ہے۔ ابو ثور ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی (متوفی ۲۴۰ھ)، اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل المزنی (متوفی ۲۶۴ھ) اور امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی یہی رائے ہے۔ ان میں ابو ثور اور مزنی امام شافعی کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ دونوں اپنے مذہب کے امام مجتہد تھے۔ ابو ثور کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ''میں سنت کے بارے میں ان کے علم کو پچاس برس سے جانتا ہوں۔ مجھے تو وہ سفیان ثوری کی شکل میں معلوم ہوتے ہیں۔'' امام نسائی کا قول ہے کہ ''وہ ثقہ فقہا میں شمار ہوتے ہیں۔'' ابو عبداللہ حاکم کا قول ہے کہ ''اہل بغداد ان پر بجا فخر کرتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے میں ان کے مفتی اور نمایاں محدثین میں سے تھے۔'' امام مسلم (صحیح کے علاوہ) ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ ابن قدامہ نے ''المغنی'' (۲: ۱۹۸) میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ ''جو مرد عورت کے پیچھے نماز پڑھے وہ نماز کا اعادہ نہ کرے۔'' اور مزنی نے بھی انھی کے قول پر قیاس کیا ہے۔ مزنی کو ''طبقات الشافعیۃ'' میں امام جلیل کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ امام شافعی ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''اگر وہ شیطان سے مناظرہ کریں تو اس پر بھی غالب آ جائیں۔'' وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے ''مختصر المزنی'' کافی مشہور کتاب ہے۔ امام ابو جعفر الطبری محدث، مفسر، فقیہ اور مورخ ہیں۔ وہ ایک مستقل مذہب کے امام ہیں۔ ان کی یہ رائے بھی ہے کہ عورت کو ہر معاملہ میں قضا کا حق حاصل ہے، ان تینوں ائمہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر اختلاف کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ قابل اجتہاد ہے۔

جن فقہا نے اس بات کی مخالفت کی ہے کہ عورت مردوں کی امامت کرے، انھوں نے دو حدیثوں اور اجماع کی دلیل پیش کی ہے۔

ایک حدیث وہ ہے جسے خاص طور پر حنفی فقہا نے پیش کیا ہے۔ وہ یوں ہے: 'اخرو هن حيث اخر هن الله' ''ان عورتوں کو وہیں پیچھے رکھو جہاں اللہ نے انھیں پیچھے رکھا ہے۔'' یعنی وہ نماز کی صف میں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوتی ہیں، اس لیے انھیں وہیں رہنے دو آگے نہ کرو۔ مشہور حنفی محقق ابن الہمام اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگرچہ مشاہیر نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔'' (بحوالہ بذل المجہود)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' میں (۳۶/۴) اس حدیث پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث عبداللہ بن مسعود تک موقوف ہے اور مذکورہ الفاظ عبداللہ بن مسعود کے ہیں۔ عبدالرزاق ہی کی سند سے طبرانی نے اسے معجم میں روایت کیا ہے۔ سروجی نے الغایہ میں لکھا ہے کہ ''ہمارے شیخ صدر سلیمان اسے یوں روایت کرتے تھے: 'الخمر ام الخبائث والنساء حبائل الشیطان واخروھن من حیث اخروھن اللّٰہ' (شراب برائیوں کی جڑ ہے اور عورتیں شیطان کے پھندے۔ انھیں پیچھے رکھو، کیونکہ اللہ نے انھیں پیچھے رکھا ہے)۔'' اور وہ اسے مسند رزین کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کا قول ہے کہ یہ حدیث بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' میں ہے۔ میں نے اسے تلاش کیا، مگر اس میں نہ موقوف حدیث موجود ہے نہ مرفوع۔ مجھے جو مرفوع حدیث ملی، اس کے الفاظ یہ ہیں: 'الخمر ام الخبائث والنساء حبائل الشیطان و الشباب شعبۃ الجنون' (شراب ساری برائیوں کی جڑ ہے، عورتیں شیطان کے پھندے ہیں اور جوانی جنون کی ایک شاخ ہے)۔ اس حدیث میں 'اخروھن' والا ٹکڑا سرے سے موجود نہیں۔ یہ دلیل کہ عورتیں چونکہ صف میں پیچھے کھڑی ہوتی ہیں، اس لیے وہ آگے کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ حضرت ام ورقہ کی حدیث اس خیال کی نفی کرتی ہے۔ اگر اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ممیز بچے کی بھی امامت ناجائز ہو جائے گی، کیونکہ وہ بھی تو صف میں پیچھے کھڑا ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک ممیز بچہ جمعہ کے علاوہ سب فرضوں کی امامت کر سکتا ہے۔ امام بخاری اور نسائی نے عمرو بن مسلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے چھ یا سات سال کی عمر میں امامت کی۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

دوسری حدیث جس کا حوالہ احناف کے علاوہ اکثر دوسرے فقہا دیتے ہیں، وہ یوں ہے:

لا تومن امراۃ رجلا ولا اعرابی مھاجر ولا فاجر مومنا الا ان یقھرہ یخاف سوطہ.	''نہ عورت مرد کی امامت کرے نہ بدو (دیہاتی) مہاجر کی اور نہ فاجر مومن کی سوائے اس کے کہ ایسا سلطان اس پر دباؤ ڈالے جس کے کوڑے سے وہ خوف زدہ ہو۔''

اس حدیث کو ابن ماجہ نے ''کتاب الصلوٰۃ'' میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ''التلخیص الحبیر'' میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عبداللہ بن محمد عدوی نے علی بن زید بن جدعان سے روایت کیا ہے۔ امام وکیع کا عدوی کے بارے میں قول ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ انھوں نے اس کے شیخ کو بھی ضعیف ٹھیرایا ہے۔ ''سبل السلام'' میں امیر صنعانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کا ایک راوی عبدالملک بن حبیب ہے جس پر سرقہ حدیث کی تہمت ہے۔

اگر اس حدیث کے متن پر غور کیا جائے تو ایک اور بات سامنے آتی ہے۔ اس حدیث میں تین شخصوں کی امامت کی ممانعت ہے عورت کی، بدو کی اور فاجر کی۔ ان میں سے بدو کی امامت کے متعلق فقہا کا قول ہے کہ اس کا تعلق ابتداے اسلام سے تھا جب بدو کتاب وسنت سے آگاہ نہیں تھے، لیکن بعد میں جب ان کا ایمان پختہ ہو گیا اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو کتاب وسنت سے آگاہی ہو گئی تو یہ ممانعت اٹھالی گئی۔ فاسق وفاجر کی امامت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں بحث سے فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر فاسق وبدعتی کو فاسق جانتے ہوئے اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو امام احمد اور مالک اسے جائز نہیں سمجھتے جبکہ امام ابوحنیفہ اور شافعی اسے جائز سمجھتے ہیں کیونکہ عبداللہ بن مسعود نے ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ وہ شراب پیتا تھا اور ایک دفعہ اس نے فجر کی چار رکعت پڑھائیں۔ عبداللہ بن عمر نے مختار کے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ اس پر الحاد کی تہمت تھی۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عبدالکریم سے تخریج کی ہے کہ انھوں نے دس صحابۂ کرام کو دیکھا جو ظالم اور جابر ائمہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ بھی وقت کے تقاضوں کے زیر اثر تھی، جب حدیث میں مذکور بدو اور فاسق کی امامت بعد میں جائز ٹھہری تو عورت بے چاری نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کی امامت ابھی تک ناجائز ہو۔

جب عورت کی امامت کی مخالفت کرنے والے فقہا کی پیش کردہ دونوں حدیثیں ضعیف اور موضوع ٹھیریں تو کیوں نہ ہم فقہ کے بنیادی اصول کی طرف رجوع کریں کہ جس کی نماز درست تصور ہو گی، اس کی امامت بھی درست تصور ہو گی۔

بعض علما اور خصوصاً ہمارے یہاں کے مذہبی پیشوا جو مرد کو صرف مرد ہونے کی وجہ سے عورت سے افضل سمجھتے ہیں، وہ اس سلسلہ میں ایسی قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جن کا امامت کے موضوع سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مثلاً ’الرجال قوامون علی النساء‘ (۴:۳۴) ’’مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں۔‘‘ ’وللرجال علیھن درجة‘ (۲:۲۲۵) ’’اور مردوں کو ان پر ایک درجہ ہے۔‘‘ ان دونوں آیات کا تعلق میاں بیوی کے عائلی اور معاشرتی حالات سے ہے، امامت کے مسئلہ سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دین اور شریعت کے اعتبار سے مرد اور عورت ہر ایک کو اپنے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ کسی کے اعمال صالحہ اکارت نہیں ہوں گے۔ ان میں سے اللہ کے نزدیک وہی مکرم ہو گا جو متقی ہو گا۔ فضیلت کا بس یہی پیمانہ ہے۔ مرد کو صرف مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر قطعی کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ یہ سوچ حکمت قرآنی سے متصادم ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com